کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

خطبۃ الانوار

خطباء و واعظین کے لیے جمعۃ المبارک کا بیان

عنوان

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی غزوۂ بدر میں شجاعت و بہادری اور انفاق فی سبیل اللہ کا روشن کردار

تاریخ: 06 مارچ 2026ء
۱۶ رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ

سلسلہ نمبر: 0211

پیش کش

تنظیم فضلاء انوار العلوم ملتان پاکستان

مرکزی دفتر: جامعہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ٹی بلاک نیو ملتان
0304-0306-0314
6123162
061-6560699

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِوَالْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّابَعْدُ!فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ.بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ(الحجرات:7)

شیر خدا،دامادِ مصطفیٰ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم،حیدر کرار،صاحب ذوالفقار،حضرت فاطمہ الزہراءرضی اللّٰہ عنہاکے شوہر نامدار،حسنین کریمین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما کے والد بزرگوار صاحبِ سخاوت و صاحب شجاعت،عبادت وریاضت والے،فصاحت والے،حلم اور علم والے۔فاتح خیبر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللّٰہ عنہ 21رمضان المبارک کو آپ کی شہادت ہے۔

آج کے جمعہ کاموضوع ہے:**حضرت علی المرتضیٰ کرم اللّٰہ وجہہ الکریم کی غزوۂ بدر میں شجاعت و بہادری اور انفاق فی سبیل اللّٰہ کاروشن کردار۔**

محترم حضرات! پہلامعرکہ حق وباطل غزوۃ البدر،سیدتناحضرت عائشۃ الصدیقہ رضی اللّٰہ عنہاکے وصال اور اعتکاف ان اہم موضوعات پر بھی ضمناً گفتگو ہوگی۔

اللّٰہ تعالیٰ نے جس دین کو حضور ختمی مرتبت پر مکمل فرمایااس کی تاریخ،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ عنہ سے اسلام کی گنتی شروع ہوئی اور حضرت عمر رضی اللّٰہ عنہ پر اسلام کاپہلا چلہ پوراہوا۔ سیدنا حضرت عثمان رضی اللّٰہ عنہ بنواُمیہ کی سیادت سے رسولِ ہاشمی کے خدمت گزار بنے اور فاتح خیبر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللّٰہ عنہ نبوت کے زیرسایہ جوان ہوئے۔ان چار حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کو جو شرف وکمال ملاوہ عقائد اہل سنت وجماعت کی اساس ہے۔اللّٰہ تعالیٰ نے ایمان کو ان کے دلوں کی طلب اور زینت بنادیا تھا،شریعت کے تقاضے ان کی طبیعت بن چکے تھے۔ہمارے اس عقیدہ پر قرآن کریم کی کھلی شہادت موجودہے۔سورۂ حجرات میں ارشادہوا:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ(الحجرات:7)

لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی اور اسے تمہارے دلوں میں مزین فرمادیا اور کفر اور فسق اور نافرمانی سے تمہیں متنفر کر دیا ایسے ہی لوگ کامیابی کی راہ پر ہیں۔(البیان)

صحابیت میں سب صحابہ راشد اور مہدی تھے، مگر ان میں سے ایسے حضرات بھی ہوئے جو نظم اُمور سلطنت میں بھی راشد اور مہدی ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اپنے بعد اپنی امت کو ان کے نقش پا پر چلنے کی دعوت دی۔ **عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ** یہ حضرات وہی نفوسِ قدسیہ ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے چار یار کہا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے چار بڑے صحابی رضی اللہ عنہم اجمعین تمام بنو آدم سے بہتر ہیں اور اہل سنت وجماعت کے عقیدہ کے مطابق ان کی آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت خلافت کی ترتیب کے موافق ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ اسی ترتیب پر افضلیت کا اعتقاد رکھیں۔

ان چار صحابہ کے علاوہ باقی تمام صحابہ کرام بھی آسمانِ ہدایت کے ستارے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ ستارے ایک جیسے نہیں چمکتے، چمک ہر کسی کی اپنی اپنی ہوتی ہے۔

اِک سَمت علی اِک سمت عُمر صدیق اِدھر عثمان اُدھر
اِن جگمگ جگمگ تاروں میں ماہتاب کا عالم کیا ہو گا
جس وقت تھے خدمت میں ان کی اُبو بکر و عُمر، عثمان و علی
اُس وقت رسول اکرم کے دربار کا عالم کیا ہو گا

محترم حضرات! ان صحابہ کرام کا درجہ ہم سب سے بہت بلند اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے کم ہے۔ انہیں درمیانی مقام میں سمجھا جائے کہ یہ حضرات ہم پر اللہ کے دین کے گواہ بنائے گئے ہیں اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ان پر اللہ کے دین کا گواہ ہے، جس طرح کعبہ نمازیوں کے لئے قبلہ ہے، یہ حضرات اقوام کے لئے قبلہ ہیں۔

دامادِ مصطفیٰ اور خلیفہ راشد چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم 13 رجب کو ہجرت سے 24 سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے، آپ کا شمار اسلام قبول کرنے والے اولین افراد میں ہوتا ہے۔ آپ نجیب الطرفین ہاشمی ہیں۔

سلسلہ نسب: علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم۔ والدہ: فاطمہ بنت اسد بن ہاشم۔

ابتدائی زندگی:

جناب ابو طالب نہایت کثیر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے، قحط و خشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا، اس لیے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اپنے محبوب چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ ہمیں اس مصیبت و پریشان حالی میں جناب ابو طالب کا ہاتھ بٹانا چاہیے، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حسب مشورہ جعفر کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی نگاہِ انتخاب نے حضرت علی کو پسند کیا، چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ساتھ رہے۔

قبول اسلام:

حضرت علی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اس لیے آپ

کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے۔ چنانچہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو مصروفِ عبادت دیکھا، اس مؤثر نظارہ نے اثر کیا طِفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا، آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے نبوت کے منصبِ گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الٰہی شاملِ حال ہوئی، اس لیے زیادہ غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور دوسرے ہی دن بار گاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے (حضرت علی رضی اللہ عنہ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے)۔

ہجرت:

محترم حضرات! بعثت کے بعد تقریباً تیرہ سال تک حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم مکہ میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے محبت، حکمت اور صبر کے ساتھ اللہ کا پیغام پہنچایا، لیکن مشرکینِ قریش نے اس دعوت کو قبول کرنے کے بجائے دشمنی اور ظلم کا راستہ اختیار کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو سخت تکلیفیں دیں اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ستایا۔

جب حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے مکہ میں اپنے جاں نثار صحابہ پر بڑھتے ہوئے مظالم دیکھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا قلب بے حد متأثر ہوا۔ کفارِ قریش کی سختیوں نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ ایسے نازک وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے حکمت اور بصیرت کے ساتھ صحابہ کرام کو ہجرت کی اجازت عطا فرمائی۔

سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت ہوئی۔ یہ اسلامی تاریخ کی پہلی ہجرت تھی جو پانچویں نبوی

میں پیش آئی۔ چند جانثار صحابہ نے حبشہ کا رخ کیا، جہاں ایک عادل بادشاہ نجاشی کی حکومت تھی۔ وہاں مسلمانوں کو امن اور آزادی کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ بعد ازاں مظالم میں مزید اضافہ ہوا تو دوسری مرتبہ بھی صحابہ کی ایک بڑی جماعت حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی۔

پھر جب مکہ میں حالات مزید سنگین ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدینہ میں ایک نئی صبح طلوع ہونے کا وقت آیا تو حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے صحابہ کرام کو آہستہ آہستہ مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اکثر مسلمان مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچ گئے۔ یوں مکہ تقریباً خالی ہو گیا اور اسلام کی ایک مضبوط اور منظم ریاست کی بنیاد مدینہ میں قائم ہونے لگی۔ یہ ہجرتیں محض نقل مکانی نہ تھیں بلکہ صبر، توکل اور دین کی حفاظت کے عظیم باب تھے جنہوں نے اسلامی تاریخ کا رخ بدل دیا۔

مشرکین کو یہ خوف لاحق ہوا کہ مسلمان اب مکہ سے باہر جا کر مضبوط ہو جائیں گے اور ایک دن ہمارے مقابلے میں کھڑے ہوں گے۔ اسی ڈر اور دشمنی کی وجہ سے انہوں نے یہ خطرناک منصوبہ بنایا کہ معاذاللہ، حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو شہید کر دیا جائے۔

انہوں نے رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے گھر کو گھیرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کچھ اور تھی۔ اللہ نے وحی کے ذریعے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو ان کے منصوبے کی خبر دے دی اور مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم فرما دیا۔

حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے حکمت کے طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا تاکہ دشمنوں کو شبہ نہ ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر خاموشی سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

یوں ہجرت کا یہ عظیم واقعہ پیش آیا، جو اسلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کی شروعات ثابت ہوا۔

اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً بائیس یا تیئیس سال تھی۔ جوانی کے اس دور میں اپنی جان خطرے میں ڈال دینا بہت بڑی بہادری اور وفاداری کی مثال ہے۔ انہوں نے خوشی سے یہ ذمہ داری قبول کی کہ وہ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے بستر پر سوئیں، حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ دشمن قتل کے ارادے سے گھر کو گھیرے ہوئے ہیں۔

ساری رات مشرکین نے گھر کا محاصرہ کیے رکھا۔ خطرہ بالکل سامنے تھا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ پورے سکون اور اطمینان سے سوئے رہے۔ مشرکین یہی سمجھتے رہے کہ بستر پر خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم آرام فرما ہیں۔

صبح جب وہ اپنے ناپاک ارادے کو پورا کرنے کے لیے اندر داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بستر پر حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ایک جانثار ساتھی سو رہے ہیں، جو اپنے آقا پر قربان ہونے کے لیے تیار تھے۔ وہ سخت غصے میں آئے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اصل مقصد کی تلاش میں نکل گئے۔

حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے مدینہ روانہ ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ دو یا تین دن تک مکہ میں ہی رہے۔ اس دوران انہوں نے ان لوگوں کی امانتیں واپس کیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ جب یہ ذمہ داری پوری ہو گئی تو تیسرے یا چوتھے دن وہ بھی مکہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد تذکرہ علی رضی اللہ عنہ:13)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ

عنہ کے کہنے پر) حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد کی خواہش کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے پوچھا، تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ عرض کی ایک گھوڑے اور ایک ذرہ کے سوا کچھ نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لیے ہے البتہ ذرہ کو فروخت کر دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں بیچا اور قیمت لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے سامنے پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں اور خود نکاح پڑھایا اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر وبرکت کی دعا دی۔ یوں 2ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی دامادی کا شرف ملا۔ (زرقانی،2:4)

غذا اور لباس:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نہایت زاہد اور پرہیز گار تھے۔ ان کی زندگی بہت سادہ تھی۔ کھانے میں عموماً سادہ اور بغیر مصالحے کا کھانا پسند کرتے تھے۔ لباس بھی سادہ پہنتے تھے۔ عمامہ آپ کو بہت پسند تھا، کبھی کبھی سفید ٹوپی بھی پہن لیتے تھے۔ بعض اوقات صرف ایک تہبند اور ایک چادر پر ہی اکتفا کر لیتے تھے۔

جب آپ خلیفہ بنے اور خلافت کی بڑی ذمہ داری آپ کے سپرد ہوئی، تب بھی آپ کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ بازار میں خود تشریف لے جاتے، ہاتھ میں کوڑا ہوتا تاکہ بازار کا نظام درست رہے۔ آپ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اتنے سادہ کپڑے کیوں پہنتے ہیں؟ تو فرمایا کہ اس سے دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے اور مسلمانوں کے لیے یہ ایک عملی نمونہ ہے۔

آپ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، جس پر اَللّٰہُ الْمَلِک نقش تھا۔ حضرت علی رضی اللّٰہ عنہ پر سردی اور گرمی کا زیادہ اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر حضور خاتم الانبیاء صلی اللّٰہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی: اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنْہُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ اے اللّٰہ! اس سے گرمی اور سردی کو دور فرمادے۔"

اس دعا کا اثر یہ تھا کہ وہ کبھی گرمی کے کپڑے سردی میں اور سردی کے کپڑے گرمی میں بھی پہن لیتے تھے، لیکن انہیں اس سے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔(مسند احمد 99:1)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت:

محترم حضرات! فاتح خیبر، حیدر کرار، صاحبِ ذوالفقار، شیر یزداں، شاہ مرداں ابو الحسن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللّٰہ عنہ کو اللّٰہ رب العزت نے شجاعت و بہادری کے عظیم جوہر سے مزین فرمایا تھا۔ میدان کارزار میں آپ کی سبقت وپیش قدمی بہادر مرد اور جواں افراد کیلئے ایک نمونہ تھی۔

حضرت علی رضی اللّٰہ عنہ میں شجاعت و بہادری کے ساتھ ساتھ دشمنوں کو معاف کرنے اور ان سے درگزر کرنے کی صفت بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ رضی اللّٰہ عنہ کے اخلاق وعادات میں سب سے زیادہ اجاگر اور اہم آپ رضی اللّٰہ عنہ کی شجاعت و بسالت اور جرأت وہمت اور بہادری ہے۔ اس وصف میں کوئی معاصر آپ کا حریف نہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو اسد اللّٰہ یعنی شیر خدا کا لقب دیا گیا ہے۔ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق اور غزوۂ خیبر سے دمِ شہادت تک قدم قدم پر آپ نے فقید المثال شجاعت وبہادری کا مظاہرہ کیا ہے۔

غزوۂ بدر[1] آپ رضی اللّٰہ عنہ کی شجاعت کا واقعہ:

[1] غزوۂ بدر کو غزوۃُ بدر الکبری وبدر القتال ویوم الفرقان بھی کہتے ہیں۔ جس کی حضور ﷺ خود قیادت فرما رہے تھے اور مکہ کے قبیلہ قریش اور دیگر عرب لوگوں کی قیادت ابوجہل کر رہا تھا۔ یہ معرکہ مدینہ کے جنوب مغرب میں بدر نامی مقام پر ہوا۔ اس لئے اسے "غزوۂ بدر" کہتے ہیں۔ یہ

محترم حضرات! 17 رمضان المبارک 2ھ کو فجر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے جہاد کی تلقین کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ارشاد کے مطابق انہوں نے صف بندی کی اور آہن پوش لشکر کو شکست دینے کا آہنی عزم لے کر میدان کی طرف چلے۔ قریشی لشکر تکبر وغرور میں بدمست نسلی تفاخر کے نعرے لگاتا ہوا سامنے موجود تھا۔ مسلمانوں کے لیے سخت آزمائش کا وقت تھا اس لیے کہ اپنے ہی بھائی بند سامنے کھڑے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے عبد الرحمن سے اور ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ عتبہ سے مقابلہ کرنا تھا۔ عرب کے دستور کے مطابق پہلے انفرادی مقابلے ہوئے۔ سب سے پہلے عمر بن الحضرمی کا بھائی عامر میدان میں نکلا اور مدمقابل طلب کیا۔ مقابلے پر حضرت عمر کا ایک غلام نکلا اور اس نے چشم زدن میں اس مغرور کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد عتبہ بن ربیعہ اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید بن عتبہ میدان میں نکلے اور مقابلے کے لئے پکارا۔ تین انصاری صحابہ میدان میں نکلے لیکن اُن تینوں (کافروں) نے یہ کہہ کر اِن سے مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ ہمارے ہم پلہ نہیں ہیں اور پکار کر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) ہمارے مقابلے پر قریشی بھیجو!۔ ہم عرب کے چرواہوں سے مقابلے کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ارشار پر حضرت حمزہ، حضرت علی اور

غزوہ غزواتِ اسلام میں سب سے بڑا غزوہ ہے، اس لئے کہ اسلام کی عزت و شوکت کی ابتداء اور کفر و شرک کی ذلت و رسوائی کا آغاز بھی اسی غزوہ سے ہوا۔ اور اللہ عزوجل کی رحمت سے اسلام کو بلا کسی ظاہری اور مادی اسباب کے محض غیب سے قوت حاصل ہوئی۔ یہ غزوہ سن دو ہجری ماہ رمضان المبارک کی ۱۷ تاریخ کو پیش آیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے (مشہور روایت کے مطابق) تین سو تیرہ نفوس آپ کے ہمراہ تھے، بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اتنی جماعت میں صرف دو گھوڑے اور ستر اُونٹ تھے ایک گھوڑا اور ایک ایک اونٹ تین تین آدمیوں میں مشترک تھا ایک کے بعد ایک سوار ہوتے تھے۔

حضرت عبیدہ[2] رضی اللہ عنہم مقابلے کے لیے نکلے۔ مغرور و متکبر قریشی سرداروں نے ان کے نام پوچھے اور کہا۔ "ہاں تم ہمارے ہم پلہ ہو، آجاؤ آجاؤ" مقابلہ شروع ہوا۔ چند لمحوں میں حضرت حمزہ نے شیبہ کو جہنم رسید کر دیا اور حضرت علی نے ولید کو قتل کر ڈالا اور لشکر اسلام سے تکبیر کی آواز بلند ہوئی۔ اس دوران عتبہ اور حضرت عبیدہ نے ایک دوسرے پر بھرپور وار کیا اور دونوں زخمی ہو کر گر پڑے۔ حضرت علی المرتضی حیدر کرار، شیر خدا کی قوت، کمال شمشیر زنی، شجاعت و بہادری کا مظاہرہ چشم فلک نے دیکھا، آپ اپنے مد مقابل سے فارغ ہو کر عتبہ کی طرف لپکے اور ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر کے حضرت عبیدہ کو لشکر میں اٹھا لائے۔

قریش نے اپنے نامور سرداروں کو یوں کٹتے، تڑپتے اور مرتے ہوئے دیکھا تو یکبارگی حملہ کر دیا تاکہ اکثریت کے بل بوتے پر لشکر اسلام کو شکست دیں۔ تمام صحابہ کرام نے جرأت و بہاری کا مظاہرہ کیا۔ میدان کارزار خوب گرم تھا قریش کے مغرور آہن پوش لوہے کے لباس سمیت کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔

اس میدانِ بدر میں ابو جہل کے علاوہ امیہ بن خلف (جس نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر بے پناہ ظلم ڈھائے تھے) جیسے اہم سرداران قریش بھی مارے گئے۔ آخر کار یہ مغرور لشکر بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس جنگ میں

---

(2) عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ ابوالحارث یا ابو معاویہ آپ کی کنیت ہے۔ غزوۂ بدر کے سب سے پہلے زخمی اور اِس غزوہ میں آخری شہید ہونے والے مہاجر صحابی ہیں۔(طبقات ابن سعد قسم اول جز،3:135) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم بن ابی ارقم کے گھر میں پناہ گزین ہونے سے پہلے حضرت عبیدہ، ابو سلمہ بن اسد، عبد اللہ بن ارقم اور عثمان بن مظعون ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ ہجرت کی، غزوۂ بدر میں شریک ہوئے جنگ لڑی، جنگ کے اختتام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر سے واپس آئے، لیکن زخم ایسے کاری تھے کہ جانبر نہ ہو سکے، 63 برس کی عمر میں وفات پائی اور مقامِ صفراء ینبع البحر میں مدفون ہوئے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام کے ساتھ اس مقام پر رکے تو صحابۂ کرام نے کہا کہ ہمیں مشک کی خوشبو آرہی ہے۔ آپ نے فرمایا: ایسا ہو سکتا ہے، کیونکہ یہاں ابو معاویہ (عبیدہ بن حارث) کی قبر ہے۔(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب:تذکرۂ عبیدہ بن الحارث)

مسلمانوں کے کل 14 آدمی شہید ہوئے۔ اس کے مقابلے میں قریش کے 70 آدمی واصل جہنم ہوئے، **جن میں سے 36 حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ہاتھوں قتل ہوئے۔** 70 سے زیادہ گرفتار ہوئے۔ قریشی مقتولین میں ان کے تقریباً تمام نامور سردار شامل تھے اور گرفتار ہونے والے بھی ان کے معززین میں سے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کو جنگ بدر میں فتح دی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ فتح و شکست میں مادی قوت سے زیادہ روحانی قوت کا دخل ہوتا ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

(مولانا ظفر علی خان)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور انفاق فی سبیل اللہ:

محترم حضرات! حضرت علی رضی اللہ عنہ گو دنیاوی دولت سے تہی دامن تھے، لیکن دل غنی تھا کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا، ایک دفعہ رات بھر باغ سینچا اس کی جو مزدوری میں حاصل کیا صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ثلث پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا، اب پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدا دی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب اٹھا کر اس کو دے دیا اور پھر بقیہ میں دوسرے ثلث کے پکنے کا انتظار کیا، لیکن تیار ہوا کہ ایک یتیم نے دست سوال بڑھایا، اسے بھی اٹھا کر اس کی نذر کیا، غرض اسی طرح تیسرا حصہ جو بچ گیا تھا وہ بھی پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کی نذر ہو گیا اور یہ مرد خودرات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہا، خدائے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا بھایا کہ بطور ستائش اس کے صلہ میں آیت نازل ہوئی۔ سورۂ دہر ارشاد ہوا:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (دھر:8)

اور کی اللہ محبت میں وہ مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (البیان)

ہمیں رمضان المبارک میں کثرت سے صدقہ وخیرات کا اہتمام کرنا چاہیے اور صدقہ فطر عید الفطر سے پہلے مستحقین کو دیدینا چاہیے۔

وصال: حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے 4 برس 9 ماہ چند دن امورِ خلافت سرانجام دیئے، آخر کار اس دنیا میں 63 سال گزار کر خارجی ابن ملجم کے ہاتھوں کوفہ میں 21 رمضان المبارک 40ھ کو شہادت پائی۔ آپ کا روضہ مبارک عراق کے شہر نجف میں مرجع الخلائق ہے۔(تاریخ ابن عساکر،42/577)

اعتکاف کے فضائل:

محترم حضرات! اللہ تعالیٰ کی قربت ورضا کے حصول کے لیے گزشتہ امتوں نے نفلی طور پر بعض ایسی ریاضتیں اپنے اوپر لازم کرلی تھیں، جو اللہ نے ان پر فرض نہیں کی تھیں۔ قرآن حکیم نے ان عبادت گزار گروہوں کو ''رُہْبَان'' اور ''اَحْبَار'' سے موسوم کیا ہے۔ تاجدار کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے تقرب الی اللہ کے لیے رہبانیت کو ترک کر کے اپنی اُمت کے لیے اعلیٰ ترین اور آسان ترین طریقہ عطا فرمایا، جو ظاہری خلوت کی بجائے باطنی خلوت کے تصور پر مبنی ہے۔یعنی اللہ کو پانے کے لیے دنیا کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کی محبت کو دل سے نکال دینا اصل کمال ہے۔

اعتکاف: جس کے معنیٰ ٹھہر جانے اور خود کو روک لینے کے ہیں۔ شریعت اسلامی کی اصطلاح میں اعتکاف رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں عبادت کی غرض سے مسجد میں ٹھہرے رہنے کو کہتے ہیں۔ سورہ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ ج وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عَاکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ
(البقرۃ:187)

پھر رات (آنے) تک روزہ پورا کرو۔ اور (کسی وقت بھی) ان سے مباشرت نہ کرو جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو۔ (البیان)

الترغیب والترہیب میں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ أَبِيْهِ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنِ اعْتَكَفَ عَشْرًا فِيْ رَمَضَانَ كَانَ كَحَجَّتَيْنِ وَعُمْرَتَيْنِ.

(المنذري في الترغيب والترهيب، 2 / 96، الرقم : 1649)

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رمضان المبارک میں دس دن اعتکاف کرتا ہے اس کا ثواب دو حج اور دو عمرہ کے برابر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا[3] کی روایت کردہ احادیث

اعتکاف کی فضیلت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ احادیث ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ : كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا بَقِيَ عَشْرٌ مِنْ رَمَضَانَ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَاعْتَزَلَ أَهْلَهٗ(احمد بن حنبل في المسند، 6 / 66، الرقم : 24422)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب رمضان (آخری عشرہ) کے دس دن باقی رہ

---

[3] عائشہ کے معنیٰ ہیں خوشحال اور صاحبہ اقبال چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ قریش کے سرداروں میں سے تھے اور قبیلہ تیم بن مرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا کاروبار بھی دور دور تک پھیلا ہوا تھا لہذا خاندانی شرف اور مالی خوشحالی کی بناء پر آپ رضی اللہ عنہا کا نام "عائشہ" رکھا اور چشم فلک نے دیکھا کہ "حضرت عائشہ" اسم بامسمیٰ یعنی ام المومنین کے مرتبے پر فائز ہوئیں یوں، بلند اقبال عطا ہوا۔ صدیقہ آپ رضی اللہ عنہا کا لقب، ام المومنین آپ کا خطاب جبکہ "ام عبد اللہ" کنیت تھی۔ عرب میں کنیت کو شرف کا نشان سمجھا جاتا تھا اس وجہ سے ہر مرد اور عورت اپنی کنیت ضرور رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ میری بھی کنیت مقرر فرمادیں کیونکہ میری تمام سہیلیوں کی کنیتیں ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: تو اپنی بہن اسماء زوجہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے نومولود بیٹے اور اپنے بھانجے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام پر اپنی کنیت ام عبد اللہ رکھ لو۔ (امام احمد بن حنبل: مسند احمد، مسند عائشہ، جلد9 رقم الحدیث 4726) آپ کی وفات بوجہ علالت بروز منگل 17 رمضان 58ھ میں ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر اچانک ہی تمام مدینہ منورہ میں پھیل گئی اور انصارِ مدینہ منورہ اپنے گھروں سے نکل آئے۔ جنازہ میں ہجوم اِتنا تھا کہ رات کے وقت اِتنا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا، نمازِ جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کی تجہیز و تکفین شب میں ہی عمل میں آئی۔ بوقت تدفین آپ کی قبر اطہر کے چاروں اطراف ایک کپڑے سے پردہ کر دیا گیا تھا تاکہ آپ کے احترام میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔ آپ کو قبر اطہر میں آپ کے بھانجوں، بھتیجوں نے اتارا یعنی جناب قاسم بن محمد بن ابی بکر، عبد اللہ بن زبیر، عروہ بن زبیر، عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر اور عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم۔ بدھ شب میں تہجد کے وقت تدفین عمل میں آئی۔ آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد 2210 ہے۔

جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اپنا کمر بند (یعنی کمرِ ہمت) کس لیتے اور اپنے اہلِ خانہ سے الگ ہو (کر عبادت وریاضت میں مشغول ہو) جاتے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ النَّبِيُّ يَمُرُّ بِالْمَرِيْضِ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ، فَيَمُرُّ كَمَا هُوَ وَلَا يُعَرِّجُ يَسْأَلُ عَنْهُ وَ قَالَ ابْنُ عِيسَى:قَالَتْ:إِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ(سنن أبی داود ، 2 / 333، الرقم : 2472)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کسی مریض کے پاس سے اعتکاف کی حالت میں گزرتے تو بغیر ٹھہرے حسب معمول گزرتے جاتے اور اس کا حال پوچھ لیتے۔ ابن عیسیٰ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ اعتکاف کی حالت میں مریض کی مزاج پرسی فرمالیا کرتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَالْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ(بخاری، 2 / 713، الرقم : 1922)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم رمضان المبارک کے آخری دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے بھی اعتکاف کیا ہے۔ (عورتیں اپنے اپنے گھروں میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہیں۔)

اختتامیہ: محترم حضرات! ہم نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مرویات، احادیث سے یہ سبق لیا کہ اصل کامیابی ظاہر کی بہادری کے ساتھ باطن کی پاکیزگی میں ہے۔ عبادت، اعتکاف، ذکر اور اخلاص انسان کو وہ روحانی قوت دیتے ہیں جو ہر معرکے میں ثابت قدم رکھتی ہے۔ اعتکاف کی فضیلت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ جو شخص چند دن اللہ کے گھر میں بیٹھ کر اپنے رب سے تعلق مضبوط کرلیتا ہے، وہ زندگی کے میدان میں بھی استقامت اور ایثار کا پیکر بن جاتا ہے۔

جنگ بدر میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی سیرت کا یہ پہلو ہمیں صرف ایک تاریخی واقعہ نہیں سناتا بلکہ ایک زندہ پیغام دیتا ہے۔ میدانِ بدر میں آپ کی شجاعت محض جسمانی قوت نہ تھی، بلکہ وہ یقینِ کامل تھا جو دل میں موجزن تھا۔

میدانِ بدر میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی بہادری صرف طاقت اور تلوار کی وجہ سے نہیں تھی۔ اصل طاقت ان کے دل کا پختہ ایمان تھا۔ ان کا یقین مضبوط تھا کہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔ یہ مضبوط ایمان حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے صحابہؓ کرام کے دلوں میں اللہ پر بھروسا، سچائی اور قربانی کا جذبہ پیدا کیا۔ اسی لیے وہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود بڑی طاقتوں کے سامنے ڈٹ گئے۔ یعنی اصل طاقت جسم کی نہیں، ایمان اور یقین کی ہوتی ہے۔ جب دل مضبوط ہو تو کم لوگ بھی بڑی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

آج جب ہم مسلمانوں کی مجموعی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو کمزوری، انتشار اور باہمی اختلاف نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ تعداد کم نہیں، وسائل بھی کم نہیں، مگر دلوں میں وہ حرارت، وہ اخلاص، وہ مقصدیت کمزور پڑ گئی ہے جو بدر کے مجاہدین کا سرمایہ تھی۔ بدر میں تین سو تیرہ تھے، مگر دل ایک تھا۔ آج کروڑوں ہیں، مگر دل بٹے ہوئے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بدر میں تلوار اس لیے کامیاب ہوئی کہ وہ نفس کے لیے نہیں، اللہ کے لیے اٹھی تھی۔ آج ہماری جدوجہد اکثر ذات، مفاد اور گروہ بندی کے گرد گھومتی ہے۔ جب تک نیت کی اصلاح نہ ہو، اتحاد پیدا نہ ہو اور ایمان کو محض دعویٰ نہیں بلکہ عملی قوت بنایا نہ جائے، اس وقت تک ظاہری وسائل بھی ہمیں وہ عزت واپس نہیں دلا سکتے جو بدر والوں کو ملی تھی۔

ہمیں اپنی نئی نسل کو یہ سمجھانا ہو گا کہ طاقت ہتھیار سے پہلے کردار میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر دل میں تقویٰ، عمل میں اخلاص اور معاشرے میں عدل پیدا ہو جائے تو کمزوری طاقت میں بدل سکتی ہے۔ بدر ہمیں یہی سبق دیتا ہے کہ حالات نہیں بدلتے، لوگ بدلتے ہیں اور جب لوگ اللہ کی طرف پلٹ آتے ہیں تو تاریخ کا رخ بھی بدل جاتا ہے۔

لہٰذا آج کے مسلمان اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شجاعت کو صرف قصہ سمجھنے کے بجائے اپنے کردار کا حصہ بنالیں، تو زوال کی رات طویل ضرور ہو گی مگر دائمی نہیں۔ بدر کی صبح ایک بار آئی تھی، وہ دوبارہ بھی آسکتی ہے، بشرطیکہ ہم اپنے اندر وہی ایمان، وہی اخلاص اور وہی قربانی پیدا کرلیں۔

وہ تین سو تیرہ تھے ہزاروں پہ تھے بھاری
اسلام کی عظمت تھی انہیں جان سے پیاری
کفار کی طاقت کا تکبر جو مٹایا
اسلام کے جاں باز تھے، تلوار تھی دھاری
اے بدر! گواہی ہے تری فتح و بقا کی
اللہ کی نصرت تھی فرشتوں سے تمہاری
کیا بات تھی بیٹے نے لیا باپ سے بدلہ
کچھ پیار نہ آیا، نہ کوئی خوف تھا طاری
اے بدر! فضاؤں میں تھی شمشیر کی جھنکار
وہ نعرہ تکبیر سے کیا ضرب تھی کاری
اٹھو میری امت کے جوانوں کو جگا دو
انصر تری نا اہلی سے دنیا میں ہے خواری

(نصیر محمد انصر نیپالی)